پروفیسر محمد اسلم

شاہ غلام علی دہلوی کے ملفوظات

"دُرّ المعارف" کی تاریخی، دینی اور سماجی اہمیت

حضرت شاہ غلام علی دہلوی کا شمار ان اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے جنھوں نے مسلمانانِ پاک و ہند کی مذہبی، معاشرتی اور سیاسی تاریخ میں اپنی سیرت و کردار کے اَن مِٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ دہلی اور اس کے اطراف میں انیسویں صدی کے ربع اوّل میں عوام کی رشد و ہدایت اور تعمیرِ ملت کا اہم فریضہ جس انہماک، خلوص اور اہتمام سے شاہ غلام علی نے انجام دیا ہے، اس کی مثال مسلمانانِ پاک و ہند کی تاریخ میں خال خال ہی نظر آتی ہے۔ شاہ صاحب کے ملفوظات دُرّ المَعَارِفُ کو سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کی تعلیمات کا مرقع سمجھنا چاہیے۔ یہ کتاب اب تک تین بار زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۳۰۴ھ میں مطبع نامی سے شائع ہوا اور دوسری بار اُسے شاہ زید ابوالحسن فاروقی سجادہ نشین درگاہ شاہ ابوالخیر نے بڑے اہتمام کے ساتھ دہلی سے شائع کیا۔ تیسری بار یہ ۱۹۷۴ء میں استانبول میں طبع ہوئی۔ راقم الحروف کے پیشِ نظر اس کا پہلا ایڈیشن ہے۔

صاحب ملفوظات کا مختصر تعارف

شاہ غلام علیؒ، جن کا اصل نام عبداللہ تھا، ۱۷۴۵ء میں مشرقی پنجاب کے مشہور علمی اور روحانی مرکز بٹالہ میں پیدا ہوئے[1]۔ ان کے والد بزرگوار شاہ عبداللطیف علوی، شاہ ناصر الدین قادریؒ سے بیعت تھے اور ان کا قیام زیادہ تر دہلی میں رہتا تھا۔

شاہ غلام علیؒ کی ابتدائی زندگی بٹالہ میں گزری۔ ان کے والد بزرگوار کی یہ دلی خواہش تھی کہ

---

[1] شاہ رؤف احمد نے جواہرِ علویہ میں بٹالہ کو خالص پنجابی لہجے میں وٹالہ لکھا ہے۔ سرسید احمد خان نے بھی تذکرہ اہلِ دہلی میں بٹالہ کی املا وٹالہ کی ہے۔

وہ اپنے فرزند ارجمند کو اپنے مرشد سے بیعت کرا دیں۔ جب شاہ صاحب کی عمر سولہ سترہ یا بہ روایتے اٹھارہ برس ہوئی تو ان کے والد نے انھیں دہلی طلب فرمایا[۱۲] جس دن شاہ غلام علیؒ دہلی پہنچے اسی روز شاہ ناصر الدین قادریؒ کا انتقال ہوا۔ شاہ صاحب کے والد نے ان سے کہا کہ اب موصوف جہاں چاہیں، بیعت کرلیں۔

شاہ غلام علی چار سال تک مختلف بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور اسی زمانے میں انھوں نے شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ رفیع الدین کی خدمت میں رہ کر دورۂ حدیث مکمل کیا۔ ۱۱۸۰ھ/ ۱۷۶۶ء میں وہ حضرت شمس الدین حبیب اللہ المعروف بہ مرزا مظہر جان جاناںؒ کی خدمت میں پہنچے اور مرید ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ مرزا صاحب نے فرمایا: "جہاں ذوق و شوق اور کیفیات میسر آسکیں وہاں بیعت کرلو، یہاں تو بغیر نمک کے پتھر کھانا ہے۔" شاہ صاحب نے عرض کیا: "مجھے یہی منظور ہے۔" مرزا صاحب نے ان کا جواب سن کر ارشاد فرمایا "مبارک ہو، آؤ بیعت کرو"[۱۳] شاہ صاحب نے مرزا صاحب کے دست حق پرست پر بیعت کی اور یہ شعر پڑھا:[۱۴]

از برائے سجدۂ عشق آستانے یافتم سر زمینے بود منظور آسمانے یافتم

شاہ غلام علیؒ پندرہ سال تک مرزا مظہر جان جاناںؒ کی مجلس ذکر اور حلقے میں بیٹھے اور ان کی خصوصی توجہ سے سلوک کی منازل طے کیں۔ مرزا صاحب کی شہادت (۱۷۸۰ء) کے بعد شاہ غلام علیؒ مسند ارشاد پر رونق افروز ہوئے اور چوالیس برس تک اپنے انفاسِ طیبہ اور حرارتِ عشق سے مرزا مظہر جان جاناں کی خانقاہ کو آباد رکھا۔

شاہ رؤف احمد رقم طراز ہیں کہ حضرت شاہ غلام علی کی خانقاہ میں سمرقند، بخارا، غزنی، تاشقند، حصار، قندھار، کابل، پشاور، ملتان، کشمیر، لاہور، سرہند، امروہہ، سنبھل، بریلی، رام پور، جائس، بہرائچ، گورکھپور، عظیم آباد، ڈھاکہ، بنگالہ، حیدرآباد اور پونا کے باشندے دیکھنے میں

۱۲؎ شاہ رؤف احمد، دار المعارف، مطبوعہ نامی پریس ۱۳۰۴ھ، ص ۱۲۳

۱۳؎ شاہ رؤف احمد، جواہر علویہ، مطبوعہ اللہ والے، کشمیری بازار لاہور، تاریخ ندارد، ص ۱۴۱

۱۴؎ سرسید احمد خان، تذکرہ اہل دہلی، کراچی ۱۹۶۵ء، ص ۲۵

آتے تھے[۵] درالمعارف میں ایک اور موقع پر شاہ رؤف احمد لکھتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کا رہنے والا ایک شخص شیخ خالد کردی سے شاہ غلام علیؒ کا ذکر سن کر ان کی زیارت کے لیے دہلی آیا۔ سرسید احمد خان رقم طراز ہیں "میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم اور شام اور بغداد اور مصر اور چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدمات خانقاہ کو سعادت ابدی سمجھے اور قریب کے شہروں کا مثل ہندوستان اور پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر ہی نہیں کہ ٹڈی دل کی طرح اُڈتے تھے[۷] شاہ رؤف احمد اور سرسید احمد خان کی ان تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شاہ غلام علی کا سلسلہ دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا اور ان کی خانقاہ کو برعظیم پاک و ہند میں مرکزی مقام حاصل تھا۔

شاہ غلام علی نے برعظیم پاک و ہند کے علاوہ افغانستان کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ شاہ رؤف احمد رقم طراز ہیں کہ ایک روز شاہ صاحب کو القا ہوا کہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ اپنے خلفا کو دکن بھیجا کرتے تھے، اس لیے انھیں اپنے خلفا کابل، قندھار اور بخارا بھیجنے چاہئیں[۸]

"درالمعارف" کے مطالعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شاہ غلام علیؒ کے مشہور خلیفہ شیخ خالد کردی نے بغداد میں قیام فرمایا تھا اور علمائے روم اور اکابرین عراق نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اس علاقے میں یہ مشہور تھا کہ شیخ خالد کردی شاہ غلام علی سے طریقۂ نقشبندیہ اخذ کر کے آئے ہیں[۹] شاہ صاحب شیخ کردی سے برابر رابطہ قائم رکھے ہوئے تھے۔ شاہ رؤف احمد نے ایک موقع پر شاہ غلام علی کے ایک خط کا ذکر کیا ہے، جو انھوں نے خالد کردی کے نام لکھوایا تھا[۱۰] درالمعارف میں مرقوم ہے کہ ایک روز "مغرب" سے ایک شخص شاہ غلام علی کی زیارت کے لیے آیا۔ دہلی آنے سے قبل وہ بغداد میں شیخ خالد کردی سے مل چکا تھا۔ اس نے شاہ صاحب کو بتایا کہ ایک لاکھ کے قریب افراد نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور اس نواح کے ایک ہزار عالم ان کے مرید ہیں[۱۱] ایک روز سمرقند سے کچھ لوگ شاہ غلام علیؒ کی خدمت

---

۵ شاہ رؤف احمد، درالمعارف، ص ۱۰۶

۶ ایضاً، ص ۱۱۵

۷ سرسید احمد خان، تذکرہ اہل دہلی، ص ۲۶

۸ شاہ رؤف احمد، درالمعارف، ص ۱۰۷

۹ ایضاً، ص ۱۱۵

۱۰ ایضاً، ص ۱۲۸

۱۱ ایضاً، ص ۱۴۴

میں حاضر ہوئے تو موصوف انھیں دیکھ کر رونے لگے۔ شاہ غلام علی نے روتے روتے مرزا مظہر جان جاناںؒ کے مزار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "حضور! میں اس قابل نہیں ہوں کہ لوگ اس طرح سے دور دراز کا سفر کر کے مجھے دیکھنے آئیں۔ یہ سب آپ کی عنایت ہے، ورنہ میں تو ایک نالائق پنجابی شخص ہوں"[12]

شاہ غلام علی کا شمار نقشبندی سلسلے کے مجددین میں ہوتا ہے۔ سرسید احمد خان کی تربیت ان کی گود میں ہوئی تھی۔ سرسید ان کے بارے میں لکھتے ہیں، "حق یہ ہے کہ ایسا بزرگ جان شیخ دیکھنے میں نہیں آیا اور میں تو اس بات پر عاشق ہوں کہ باوجود اتنی آزادی اور خود رفتگی کے سرِمو احکامِ شریعت سے تجاوز نہ تھا اور جو کام تھا وہ باتباعِ سنت تھا۔ لقمۂ مشتبہ سے نہایت پرہیز کرتے اور مالِ مشتبہ ہرگز نہ لیتے۔ جو شخص خلافِ شرع اور سنت ہوتا، اس سے نہایت خفا ہوتے اور اپنے پاس اس کا آنا گوارا نہ کرتے"[13]

شاہ غلام علی ۱۸۲۴ء میں فوت ہوئے۔ نماز جنازہ جامع مسجد میں ان کے خلیفہ اور جانشین شاہ ابوسعید مجددی نے پڑھائی اور انھیں حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے پہلو میں جانب قبلہ ابدی آرام کے لیے جگہ ملی۔

جامع ملفوظات

جامع ملفوظات شاہ رؤف احمد فاروقی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد تھے۔ ان کا شجرۂ نسب حضرت مجدد الف ثانی سے اس طرح سے ملتا ہے: شاہ رؤف احمد بن شعور احمد بن محمد شرف بن رضی الدین بن زین العابدین بن محمد یحییٰ بن مجدد الف ثانیؒ[14] موصوف ۴ محرم ۱۲۰۱ھ/ ۱۷۸۶ء کو رام پور میں پیدا ہوئے۔ حصولِ تعلیم کے بعد انھوں نے شاہ درگاہی کے ہاتھ پر بیعت کی لیکن کچھ عرصہ بعد اپنے خالہ زاد بھائی شاہ ابوسعید مجددی کے ساتھ شاہ غلام علیؒ کی خدمت میں چلے آئے اور ان کی خدمت میں رہ کر سلوک کی منازل طے کیں۔

شاہ غلام علی سے حصولِ خلافت کے بعد موصوف بھوپال تشریف لے گئے۔ وہاں انھیں قبولِ عام

---

[12] شاہ رؤف احمد، درالمعارف، ص ۵۶، ۵۷

[13] سرسید احمد خان، تذکرہ اہل دہلی، ص ۲۸، ۲۹

[14] شاہ رؤف احمد، جواہر علویہ، ص ۲

کا درجہ حاصل ہوا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شاہ غلام علی کے طریقے کی اشاعت زیادہ تر انھی کے ذریعے ہوئی۔ ان کی تصانیف میں سے جواہرِ علویہ، درالمعارف اور مراتب الوصول خاص طور پر مشہور ہیں۔ شاہ رؤف احمد ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء میں سفر حج کے دوران میں فوت ہوئے۔ ہمارے زمانے میں ان کی اولاد سے شاہ محمد یعقوب مجددی بڑے صاحب دل بزرگ ہو گزرے ہیں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ان پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

درالمعارف

درالمعارف کا آغاز بروز ہفتہ ۱۲ ربیع الآخر ۱۲۳۱ھ کو ہوا اور یہ کتاب بروز اتوار یکم شوال ۱۲۳۱ کو مکمل ہوئی۔ جامع ملفوظات نے اکثر مجالس کی تاریخیں درج کی ہیں لیکن ان میں ایسے ملفوظات بھی موجود ہیں جن کی تاریخیں درج نہیں ہیں۔ شاہ غلام علی کے ملفوظات میں چشتیہ سلسلے کے بزرگوں کے ملفوظات کی طرح حکایات کی بھرمار نہیں ہے۔ ان کے ملفوظات عالمانہ ہیں اور ان کا ایک ایک ملفوظہ ان کی شانِ علم پر دال ہے۔ درالمعارف کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ غلام علی اپنی خانقاہ میں قرآن حکیم، صحیح بخاری، ترمذی شریف اور مثنوی معنوی کا درس دیا کرتے تھے[۱۵]۔ شاہ رؤف احمد لکھتے ہیں کہ ان کے پیر و مرشد فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں تین کتابوں کا جواب نہیں ہے اور یہ تین کتابیں قرآن حکیم، صحیح بخاری اور مثنوی معنوی ہیں[۱۶]۔

ایک دن شاہ رؤف احمد درس حدیث میں شریک تھے۔ شاہ غلام علی نے ترمذی شریف کی یہ حدیث بیان فرمائی: فَضْلُ عَائِشَۃَ عَلَی النِّسَاءِ کَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلٰی سَائِرِ الطَّعَامِ
یہ حدیث پڑھ کر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس حدیث سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ثابت ہے اور انھیں یہ شرف ان کی علمیت، اجتہاد، فقاہت، ترک و تجرید اور محبوبیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے[۱۷]۔

---

۱۵ شاہ رؤف احمد، درالمعارف، ص ۱۲۳، ۱۵۳، ۱۵۴

۱۶ ایضاً، ص ۱۵۳، ۱۴۳، ۱۸۹، ۲۳۳

۱۷ ایضاً، ص ۱۵۲

گسستن اچھا یا پیوستن

صوفیائے کرام میں گسستن یا پیوستن کے بارے میں ہمیشہ سے اختلاف رائے چلا آتا ہے۔ راقم کو خوب یاد ہے کہ ایک بار خواجہ حسن نظامی دہلوی نے علامہ اقبال کو "سرالوصال" کا خطاب دیا تو حضرتِ علامہ نے انھیں لکھا کہ وہ سرالوصال کی بجائے "سرالفصال" کہلانا پسند فرمائیں گے۔ بعض صوفیائے کرام کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصل سے سالک کی اپنی ہستی فنا ہو جاتی ہے اور فصل کی صورت میں اس کا ذاتی تشخص باقی رہتا ہے۔ جو صوفیا نظریۂ وحدت الوجود کے قائل ہیں وہ ہمیشہ خدا کے ساتھ وصل کے متمنی رہتے ہیں لیکن جو بزرگ نظریۂ وحدت الشہود کے قائل ہیں وہ ذاتِ حق میں فنا کی بجائے بقا کے قائل ہیں۔ شاہ غلام علیؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ ان کے نزدیک گسستن سے پیوستن اچھا ہے۔ شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ صوفیا کے نزدیک یہ دونوں باتیں درست ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ جب خدا سے وصل ہوگا تو خلق سے خود بخود فصل ہو جائے گا اور اگر خلق سے فصل ہوگا تو خدا سے خود بخود وصل ہو جائے گا۔[۱۸]

وحدت الوجود

جامع ملفوظات رقم طراز ہیں کہ ان کے پیر طریقت کو وحدت الوجود کے موضوع پر بہت سے اشعار یاد تھے اور موصوف اس موضوع پر مولانا رومیؒ، ابن عربیؒ، مولانا جامیؒ، مولانا مغربیؒ اور شیخ احمد جامؒ کے اشعار پڑھا کرتے تھے۔[۱۹] شاہ غلام علی فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار فرمایا کرتے تھے کہ انا الحق کہنا آسان ہے لیکن "انا" کو ختم کرنا مشکل ہے۔[۲۰]

کشف و وجدان کی حقیقت

شاہ غلام علی فرماتے ہیں کہ کشف میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہے لیکن وجدان میں خطا نہیں ہوتی۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص دور سے کوئی چارپایہ دیکھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ وہ شیر ہے، حالانکہ وہاں شیر کی بجائے کوئی اور جانور ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص کو پانی نظر آتا ہے لیکن وہ سراب

---

[۱۸] شاہ رؤف احمد، درالمعارف، ص ۶۵ [۱۹] ایضاً، ص ۴۹، ۵۵

[۲۰] ایضاً، ص ۱۸۰ ۔ انا الحق گفتن آسان ست و انا را شکستن مشکل است۔

ہوتا ہے۔ اہلِ کشف کی مثال ایسی ہی ہے۔ وجدان کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص ہوا کو پالیتا ہے۔ ہوا یوں تو نظر نہیں آتی لیکن اس کی گرمی یا خنکی کی وجہ سے اسے ہوا کی موجودگی کا احساس ہوجاتا ہے۔ اس طرح کے ادراک میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا۔ یہ مثالیں بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ انھیں صحیح وجدان عطا ہوا ہے[۵۲۱]

حصول نسبتِ اویسی

شاہ غلام علی ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی بزرگ سے اویسی نسبت حاصل کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ خلوت میں دوگانہ ادا کرے۔ بعد ازاں وہ اس بزرگ کے ایصالِ ثواب کے لیے فاتحہ پڑھے اور اس کی روح کی طرف متوجہ ہوجائے۔ ایسا کرنے سے چند ہی روز میں نسبت کا ظہور ہوجائے گا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ سالک کو چاہیے کہ ہر شب عشا کے بعد خیال میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرے۔ وہ یہی خیال کرے کہ اس کا ہاتھ آنحضرتؐ کے ہاتھ میں ہے۔ بیعت کرتے وقت سالک کلمۂ توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج پر کاربند رہنے کا عہد کرے[۵۲۲]

شاہ صاحب کا طریقِ بیعت

جامع ملفوظات لکھتے ہیں کہ ایک روز ایک شخص شاہ غلام علیؒ کی خدمت میں بیعت کی غرض سے حاضر ہوا۔ انھوں نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس سے تین بار "استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ" پڑھوایا۔ اس کے بعد اس سے امنت باللہ . . . وبعث بعد الموت پڑھوایا اور اس سے امنت باللہ کما ھو باسمائہ وصفاتہ وقبلت جمیع احکامہ کا اقرار کرایا۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے اس سے تین بار کلمۂ شہادت اور ایک بار کلمۂ توحید پڑھوایا۔ اس کے بعد انھوں نے اس سے پوچھا کہ وہ کس سلسلے میں بیعت ہونا چاہتا ہے؟ اس نے بتایا کہ اس کا رجحان قادریہ سلسلے کی طرف ہے۔ شاہ صاحب نے فاتحہ پڑھ کر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور سلسلۂ قادریہ کے بزرگوں کی روح کو ایصالِ ثواب کیا اور اسے نقشبندی سلسلے کے معمول کے مطابق ذکرِ قلبی کی تلقین فرمائی[۵۲۳]

---

۵۲۱ شاہ رؤف احمد، درالمعارف، ص ۵۲، ۵۳ ۔ ۵۲۲ ایضاً، ص ۱۴۲ ۔ ۵۲۳ ایضاً، ص ۲۴

بیعت کی اقسام

شاہ غلام علی فرماتے ہیں کہ بیعت کی تین قسمیں ہیں : اوّل ، بیعتِ توسّل ، یہ بیعت بزرگوں کا وسیلہ حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے ۔ دوم ، بیعت برائے رفع معاصی ، یہ بیعت گناہوں سے توبہ کرنے کے لیے کی جاتی ہے ۔ اگر کوئی شخص بیعت کرنے کے بعد کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کی بیعت ٹوٹ جاتی ہے اور اس کے لیے تجدید بیعت لازم ہو جاتی ہے ۔ سوم ، بیعت برائے کسب سلوکِ باطن ، یہ بیعت سلوک کے مقام طے کرنے کے لیے کسی مرشد کے ہاتھ پر کی جاتی ہے۔[۲۴]

مریدوں کو نصیحت

شاہ غلام علی فرماتے ہیں کہ جو شخص ان کے ساتھ ملاقات رکھتا ہے ، اسے چاہیے کہ وہ ان جیسا لباس پہنے اور انہی کے طور طریقے اختیار کرے۔[۲۵]

مریدوں کا احترام

شاہ رؤف احمد لکھتے ہیں کہ ایک روز شاہ غلام علیؒ کے ایک مرید بشارت اللہ خانقاہ میں آئے تو شاہ صاحب ان کے استقبال کے لیے اپنی قیام گاہ سے نکل کر مرزا مظہر جان جاناں کے مزار تک تشریف لائے۔ بشارت اللہ سے مل کر موصوف بے حد خوش ہوئے اور ان سے کہا کہ وہ جتنی نسبت لے کر گئے تھے، اس سے زیادہ لے کر واپس آئے ہیں ۔ شاہ صاحب نے ان سے خوش ہو کر انھیں کلاہ رضا عنایت فرمائی، جو اس سے پہلے کسی اور مرید کو نہیں ملی تھی۔[۲۶]

طریقۂ اجازت

جامع ملفوظات رقم طراز ہیں کہ شاہ غلام علی نے جناب مولوی شیر محمد کو اجازتِ طریقہ دینے سے قبل شیرینی طلب فرمائی ۔ انھوں نے مولوی صاحب کو اپنا خرقہ اور کلاہ پہنائے اور سلسلۂ نقشبندیہ کے بزرگوں کی ارواح کے ایصالِ ثواب کے لیے فاتحہ پڑھی ۔ شاہ صاحب نے اس موقع پر بزرگوں سے استمداد چاہی اور مولوی صاحب کے حق میں دعا کی۔[۲۷]

۲۴ھ شاہ رؤف احمد، در المعارف، ص ۶۳، ۶۴

۲۵ھ ایضاً ، ص ۱۵۴

۲۶ھ ایضاً ، ص ۲۵۷

۲۷ھ ایضاً ، ص ۸۷

طریقۂ توجہ

شاہ رؤف احمد تحریر فرماتے ہیں کہ اپنے آخری ایامِ حیات میں شاہ غلام علی تیس افراد کو صبح کے وقت اور اتنے ہی اصحاب کو نمازِ عصر کے بعد حلقہ کراتے تھے۔ اگر حلقے میں بیٹھنے والوں کی تعداد بڑھ جاتی تو انھیں اگلے روز آنے کا حکم دیتے۔ شاہ رؤف احمد لکھتے ہیں کہ شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ خواجہ محمد سعیدؒ، خواجہ محمد معصومؒ اور مرزا مظہر جان جاناںؒ کا بھی یہی طریقہ تھا[۲۸]

توجہ کی تاثیر کے بارے میں شاہ رؤف احمد نے شاہ صاحب کی زبانِ فیض ترجمان سے یہ واقعہ سنا تھا کہ ایک روز دریا میں ایک کشتی رواں تھی۔ شاہ صاحب نے اس پر توجہ کی تو وہ فوراً رک گئی۔[۲۹] شاہ عبدالعزیز دہلوی کے ملفوظات میں مرقوم ہے کہ ایک دن ان کے جدِ امجد شاہ عبدالرحیم نے ایک پتھر پر توجہ ڈالی تو وہ اپنی جگہ سے سرک گیا[۳۰]

طریقۂ نقشبندیہ

شاہ غلام علی فرمایا کرتے تھے کہ قدما صوفیا بڑی بڑی ریاضتیں کیا کرتے تھے۔ "حضرت خواجہ خواجگان پیرِ پیراں مرہمِ دلہائے دردمند خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ" نے سنتِ خیر الانامؐ پر عمل کر کے راہِ طریقت کو آسان بنا دیا ہے۔ انھوں نے قرآن پاک کی اس آیت " یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" پر نظر رکھتے ہوئے سخت قسم کی ریاضتوں سے منع کر کے ہم ایسے کم ہمتوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ اس طریقے میں بغیر کسی محنت کے پیرانِ کبار کی توجہ سے فیض ملتا ہے اور سالک ہر مقام کے فیض سے بہرہ یاب ہوتا ہے[۳۱]۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ شاہ بہاء الدین نقشبند نے طریقۂ نقشبندیہ کی بنیاد دو چیزوں پر رکھی ہے۔ اوّل : محبت۔ دوم : متابعتِ شریعت[۳۲]

شاہ غلام علی نے ایک مجلس میں فرمایا کہ طریقۂ نقشبندیہ میں دو چیزیں اختیار کرتے ہیں۔ اوّل، سنت، دوم : توجہ بقلب۔ یہی طریقہ صحابہ کرام کا تھا اور وہ تمام امت کے اولیاء اللہ سے افضل ہیں۔

۲۸؎ شاہ رؤف احمد: درالمعارف، ص ۱۰۶، ۱۰۷ ۲۹؎ ایضاً، ص ۲۱

۳۰؎ ملفوظات شاہ عبدالعزیز، (اردو ترجمہ)۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۰ء، ص ۹۵

۳۱؎ شاہ رؤف احمد: درالمعارف، ص ۳۸ ۳۲؎ ایضاً، ص ۴۰

صحابۂ کرام کے کمالات اصول ہیں تو اولیاء اللہ کے فروع اور ظلال ہیں۔ پس وہی طریقہ جو صحابۂ کرامؓ کا طریقہ ہے، باقی تمام طریقوں سے افضل ہوگا[۳۳] شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ طریقۂ نقشبندیہ میں محرومی نہیں ہے۔ جو شخص اس سلسلے میں داخل ہوتا ہے وہ نسبتِ نقشبندیہ سے محروم نہیں رہتا اور جو ازلی بدبخت ہے وہ اس طریقے میں داخل ہی نہیں ہوتا۔[۳۴] شاہ غلام علی فرماتے ہیں کہ طریقۂ نقشبندیہ سے چار چیزیں مراد ہیں۔ اوّل: بے خطرگی، دوم: دوامِ حضور و آگاہی، سوم: جذبات، چہارم: واردات۔[۳۵] شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نسبتِ نقشبندیہ کو "بے نمک" کہا کرتے تھے اور انھوں نے ایک بار یہ الفاظ شاہ صاحب کی موجودگی میں بھی کہے تھے۔[۳۶]

جس وقت شاہ غلام علی نے حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ سے مرید ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی تو انھوں نے جواب میں یہی فرمایا تھا۔" جہاں ذوق و شوق اور کیفیات میسر آسکیں وہاں بیعت کرلو۔ یہاں تو بغیر نمک کے پتھر کھانا ہے۔"[۳۷]

شاہ غلام علی کی تجرد پسندی

شاہ غلام علی نے اپنی عمر فقر و تجرد میں گزار دی اور زوج و اولاد سے بے نیاز رہے۔ دُرّ المعارف میں جابجا ان کی تجرد پسندی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ایک صوفی کو دنیا سے روگردانی کرکے ترک و تجرید کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ اسے چاہیے کہ وہ غیر اللہ سے انحراف کرے اور امیروں کی صحبت سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ نکاح ان چیزوں میں مانع آتا ہے، کیوں کہ عورتوں میں صبر، توکل اور قناعت جیسی صفات نہیں ہوتیں۔ الا ماشاء اللہ۔[۳۸] شاہ صاحب دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بیوی اپنے خاوند کو دنیاوی اشیا کے حصول کی طرف مائل کرتی

---

۳۳ شاہ رؤف احمد: دُر المعارف، ص ۴۰، ۴۱

۳۴ ایضاً، ص ۹۱ ۳۵ ایضاً، ص ۳۰

۳۶ ایضاً، ص ۴۸ — نسبتِ این طریقۂ نقشبندیہ بے نمک است

۳۷ شاہ رؤف احمد، جواہر علویہ، ص ۱۴۱

۳۸ شاہ رؤف احمد، در المعارف، ص ۲۳

ہے اور یہ چیز ترک و تجرید کے منافی ہے ۔ اس لیے بہتر ہے کہ صوفی زوج و اولاد سے بے نیاز رہے ۔

شاہ غلام علی نے ایک روز اپنی مجلس میں فرمایا کہ ایک بار خواجہ ناصر الدین عبد الرشید احرارؒ نے ارشاد فرمایا کہ ان سے ایک ایسا گناہ سرزد ہوا ہے کہ اگر وہ پانچ سو سال تک زندہ رہیں اور توبہ و استغفار کرتے رہیں، تب بھی اس گناہ کا کفارہ ممکن نہیں ۔ حاضرینِ مجلس نے عرض کیا کہ ایسا کون سا گناہ ان سے سرزد ہوا ہے ؟ خواجہ بزرگ نے فرمایا : " نکاح "[۳۹]

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے نکاح کیا تو ان کے ہم عصر صوفیوں کو اس پر بڑا تعجب ہوا ۔ شیخ موصوف نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ انھوں نے یہ نکاح امر ربی کے تحت کیا ہے[۴۰] اسی ضمن میں ایک روز شاہ صاحب نے فرمایا کہ صوفی کو نکاح نہیں کرنا چاہیے اور اسے عورتوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہیے ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ " آداب المریدین" میں حضرت ابو نجیب عبد القاہر سہروردی لکھتے ہیں : " ہمارے زمانے میں صوفی کو نکاح نہیں کرنا چاہیے " یہ کئی سو سال پہلے کا واقعہ ہے ۔ اس زمانے میں جو صوفی نکاح کرتے ہیں، ان پر سخت افسوس ہے[۴۱]

شاہ غلام علی کا استغنا

ایک روز شاہ صاحب نے اپنے احباب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان کی خانقاہ میں ۴۰۰ طالبانِ حق موجود ہیں، لیکن انھیں ان کے کھانے اور کپڑے کی مطلق فکر نہیں ہے ۔ شاہ صاحب نے مزید ارشاد فرمایا کہ انھوں نے اس کا خیال ہی دل سے نکال دیا ہے[۴۲] سر سید احمد خان، جن کا بچپن غلام علیؒ کی خانقاہ میں گزرا تھا، لکھتے ہیں : " حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو فقیر سے کم نہیں رہتا تھا اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمے تھا ۔ اور باوجودے کہ کہیں سے ایک حبہ مقرر نہ تھا، اللہ تعالیٰ غیب الغیب سے سب کام چلاتا تھا ۔ اس پر فیاضی اور سخاوت اس قدر تھی کہ کبھی سائل کو محروم نہیں پھیرا "[۴۳] شاہ رؤف احمد رقم طراز ہیں کہ شاہ صاحب کبھی کبھی یہ رباعی، جو اُن کے حسب حال تھی، پڑھا کرتے تھے :

۳۹ھ شاہ رؤف احمد، درالمعارف، ص ۲۲
۴۰ھ ایضاً، ص ۲۰
۴۱ھ ایضاً، ص ۲۲
۴۲ھ ایضاً، ص ۴۵
۴۳ھ سر سید احمد خان، تذکرہ اہل دہلی، ص ۲۶

ما در دو جہاں غیر خدا کار نداریم — ما یار بجز حضرت جبار نداریم
مستانہ فدائیم سر و پای برہنہ — حاجت بکسی جبہ و دستار نداریم[۴۴]

ایک بار نواب ٹونک امیر خان نے خانقاہ کے خرچ کے لیے کچھ رقم مقرر کرنا چاہی تو شاہ صاحب نے شاہ رؤف احمد سے کہا کہ نواب صاحب کو یہ شعر لکھ کر بھیج دیں:

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم — با میر خان بگوی کہ روزی مقدر است[۴۵]

شاہ رؤف احمد رقم طراز ہیں کہ جب کوئی حکمران یا امیر خانقاہ کے لیے رقم مقرر کرنے کی خواہش کا اظہار کرتا تو شاہ صاحب یہ قطعہ پڑھ کر اس کی درخواست رد فرما دیتے۔

خاک نشینی در رحمانیم — بہ کہ ز ملک سلیمانیم
ہست چہل سال کہ ند پوشمش — کہنہ نہ شد جامۂ عریانیم[۴۶]

شاہ غلام علی کی جواں ہمتی

جامع ملفوظات تحریر فرماتے ہیں کہ جن دنوں موصوف دار المعارف کی تدوین میں مصروف تھے، ان دنوں شاہ غلام علی کی عمر پچھتر برس تھی[۴۷] ایک روز شاہ صاحب نے فرمایا کہ اب موصوف کمزور ہو گئے ہیں۔ جس زمانے میں ان میں طاقت تھی تو موصوف جامع مسجد دہلی کے حوض کا پانی پیتے تھے اور قرآن پاک کے دس پارے روزانہ تلاوت فرماتے تھے۔ اس زمانے میں دس ہزار بار نفی اثبات ان کا روزانہ معمول تھا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں انھیں جامع مسجد انوار سے پُر نظر آتی تھی اور موصوف جس گلی محلے سے گزرتے تھے، وہاں نور ہی نور نظر آتا تھا[۴۸]

شاہ رؤف احمد فرماتے ہیں کہ شاہ غلام علیؒ کسی کے گھر کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اگر ان کے کسی معتقد کے ہاں سے کھانا آتا تو موصوف اسے محتاجوں میں تقسیم فرما دیتے۔ ایک روز ایک امیر اور ایک "زن فاحشہ" کے ہاں سے کھانا آیا تو شاہ صاحب نے وہ کھانا محتاجوں میں تقسیم کر دیا۔[۴۹]

(باقی آئندہ)

۴۴ھ شاہ رؤف احمد، در المعارف، ص ۹۰

۴۵ھ شاہ رؤف احمد، جواہر علویہ، ص ۱۴۶

۴۶ھ ایضاً

۴۷ھ شاہ رؤف احمد، در المعارف، ص ۲۲۶

۴۸ھ ایضاً، ص ۲۱۰

۴۹ھ ایضاً، ص ۲۲۷